

عمل اور تقدیر

(مشکوٰۃ المصابیح حدیث: ۸۷-۸۸)

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ أن رجلین من مزینة قالوا: یا رسول اللہ، أ رأیت ما یعمل الناس الیوم و یکدحون فیہ؟ أشیء قضی علیہم و مضی فیہم من قدر سبق، أو فیما یستقبلون به مما أتاہم به نبیہم و ثبتت الحجة علیہم؟ فقال لا، بل شیء قضی علیہم و مضی فیہم، و تصدیق ذلک فی کتاب اللہ عزوجل: و نفس و ما سواها فألہمها فجورھا و تقواھا۔

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مزینہ کے دو آدمیوں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) پوچھا: یا رسول اللہ، یہ لوگ جو اعمال اور ان (اعمال کو انجام دینے) کے لیے جو سعی و جہد کر رہے ہیں، اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اور یہ پہلے سے طے شدہ تقدیر ہے جو جاری کر دی گئی ہے یا ان کا معاملہ یہ ہے کہ یہ (اپنی مرضی سے) اس چیز کو قبول کر رہے ہیں جو ان کا نبی لے کر آیا ہے اور ان پر حجت ثابت ہو رہی ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کا ان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے اور ان

میں جاری ہوگئی ہے۔ اس بات کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس طرح سے آئی ہے: اور گواہ ہے جان اور اس کی ساخت کہ اس میں اس نے نافرمانی اور تقویٰ دونوں الہام کر دیے ہیں۔“

لغوی مباحث

أرأیت : لفظی مطلب تو ’کیا تو نے دیکھا؟‘ ہے، لیکن استفہام کا یہ اسلوب کسی کی رائے جاننے، کسی شے یا امر کی طرف توجہ مبذول کرنے، اظہار تعجب اور اظہار نفرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

یکدحون : ’کدح‘ کے معنی کسی کام کی سخت جانیاں سہتے ہوئے اسے کرتے رہنا ہے۔ اردو میں اس کے لیے عام طور پر جدوجہد کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے۔

قضی علیہم : ’قضاء‘ کے معنی فیصلہ کرنے، پورا کرنے اور مکمل کرنے کے ہیں۔ ’علی‘ کے صلے کے ساتھ اس میں نفاذ کے معنی کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مضی فیہم : ’مضی‘ کے معنی گزر جانے کے ہیں۔ یہاں یہ وقوع پذیر ہونے کے معنی میں ہے۔
ثبتت الحجة علیہم : حجت ثابت ہونا سے مراد یہ ہے کہ معاملہ کسی تقدیر کے اسیر ہونے کا نہیں، بلکہ دلیل کی بنیاد پر حق کے قبول اور عدم قبول کا ہے۔

فألہمها : ’الہام‘ کے معنی کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنا کے ہیں۔ یہاں اس سے نفس انسانی کے تسویے کے تکمیلی مرحلہ کا بیان ہوا ہے جس کے نتیجے میں انسان میں یہ اہلیت پیدا ہوئی کہ وہ حق و باطل کو پہچان سکے۔

متون

اس روایت میں مزینہ کے دو آدمیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمے کا ذکر ہوا ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس کے بجائے جہینہ یا مزینہ کے شک کے ساتھ ایک آدمی کا سوال کرنا روایت ہوا ہے۔ اسی طرح اس روایت میں ثبتت الحجة علیہم کی جگہ اتخذت علیہم بہ الحجة کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح آخر میں سائل کا اعتراض بھی نقل ہوا ہے: فلم یعملون اذا یا رسول اللہ (پھر، اے اللہ کے رسول، وہ عمل کیوں کر رہے ہیں)؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ’من کان اللہ عز و جل خلقه لواحدة من المنزلین یہیئہ لعملہا‘ (جو بھی اللہ کی مخلوق ہے وہ اسے دونوں منزلوں (یعنی جنت یا جہنم) میں سے ایک کے عمل کی توفیق دیتا ہے)۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت مسلم سے لی ہے۔ مسلم نے حضور سے مکالمے کو روایت کرنے سے پہلے صحابی اور تابعی کے اس موضوع پر مکالمے کو بھی بیان کیا ہے:

عن ابی اسود الدیلی قال : قال لی
عمران بن حصین أرأیت ما یعمل الناس
الیوم و یکدحون فیه ؟ أشیء قضی
علیہم و مضی علیہم من قدر ما
سبق، او فیما یتقبلون بہ مما اتاہم
بہ نبیہم و ثبتت الحجة علیہم ؟ فقلت
بل شیء قضی علیہم و مضی علیہم ۔
قال : فقال : أفلا یكون ظلما ۔ قال :
ففزعنت من ذلك فزعا شديدا و قلت :
کل شیء خلق الله و ملک یدہ فلا
یسأل عما یفعل و ہم یسألون ۔
فقال لی یرحمک الله انی لم ارد بما
سألتک الا لأحزر عقلک ۔

”ابواسود دلی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عمران بن
حصین نے پوچھا: آج لوگ جو عمل اور سعی و جہد کر رہے
ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ آیا یہ
چیز پہلے سے طے شدہ تقدیر میں سے ہے جو ان پر نافذ
کردی گئی اور ان پر جاری کردی گئی ہے یا یہ اپنے نبی کی
دعوت جو وہ ان کے پاس لے کے آیا ہے، قبول کر رہے
ہیں اور ان پر حجت پوری ہو گئی ہے؟ میں نے کہا: نہیں،
بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کا ان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا
ہے اور ان پر جاری کردی گئی ہے۔ انہوں نے میری
اس بات پر اعتراض کیا: تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا۔ وہ بیان
کرتے ہیں: اس بات پر میں بہت گھبرایا اور میں نے
کہا: ہر شے اللہ کی مخلوق ہے اور اس کے ہاتھ کی ملک
ہے۔ اس سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور
ان سے پوچھا جائے گا (کہ یہ کیا کر رہے ہیں)۔
انہوں نے مجھے جواب دیا: اللہ تم پر رحم کرے میرا سوال
سے مقصود صرف یہ تھا کہ میں تمہارے فہم اور سمجھ کو
جانچوں.....۔“

صحیح ابن حبان میں اس روایت کا متن مسلم کے متن کی طرح ہے، محض کچھ لفظی فرق ہیں۔ یعنی اس میں حجت والا جملہ
’اتخذ‘ فعل کے ساتھ ہے اور آخر میں ’یہیئہ لعملہا‘ کی جگہ ’یستعمل لہا‘ کے الفاظ مروی ہیں۔ ایک دوسری
روایت کے مطابق یہ سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کیا گیا تھا کہ پھر لوگ عمل کیوں کریں؟ آپ نے فرمایا: ’اعملوا فکل
میسر لما خلق لہ‘۔ ”عمل کرو، ہر ایک کو اس کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اس کو تخلیق کیا گیا ہے۔“

معنی

اس روایت کی عبارت میں ایک حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ سائل نے اپنا سوال ’قضی علیہم‘ اور ’مضی فیہم من‘

قدر کے الفاظ میں کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں جملے ایک ہی معنی کے ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔ شارحین نے قضا اور تقدیر کے معنی کے فرق کو سامنے رکھ کر ان جملوں کے الگ الگ معنی متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی قضا اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں اور تقدیر ان کے نفاذ کی عملی صورتیں وغیرہ۔ ہمارے نزدیک، سائل کے ذہن میں کچھ مراحل کے حوالے سے سوال کرنا نہیں ہے۔ اس نے محض احاطہ قدرت اور توسیع نفاذ کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی بات نتیجے کے اعتبار سے دو مترادف جملوں میں بیان کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید سے استدلال سے متعلق ہے۔ روایت کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ ہر چیز تقدیر میں طے ہے اور انسان جو کچھ کر رہا ہے، اس کا سبب تقدیر کا لکھا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تائید میں جو آیہ مبارکہ پڑھی ہے، اس میں یہ بات بیان ہی نہیں ہوئی، بلکہ سورہ کے مضمون کو سامنے رکھیں تو بالکل مختلف بات سامنے آتی ہے۔ اس آیت کی متصل آیات میں بیان ہوا ہے: ”کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو آلودہ کر لیا۔“ یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ پہلی آیت میں صلاحیت کے ولیعت کرنے کا معاملہ بیان ہوا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس آیت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”انسان اگر خود اپنے نفس پر غور کرے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ خالق نے اس کی تشکیل اس طرح فرمائی ہے کہ اس کے اندر نیکی اور بدی دونوں کا شعور ودیعت کر دیا ہے۔ یہ شعور ظاہر ہے کہ اس لیے ودیعت ہوا ہے کہ انسان ان میں سے نیکی کو اختیار کرے اور بدی سے اپنے آپ کو بچائے۔ اور اس سے یہ بات بھی بدیہی نتیجہ کے طور پر نکلی کہ فلاح وہی پائے گا جو اپنے آپ کو بدی سے پاک رکھے گا اور وہ نامراد ہوگا جو اس کو گناہ سے آلودہ کرے گا۔ اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ اپنے آپ کو شتر بے مہار سمجھنے کا تصور انسان کے خود اپنے نفس کی شہادت کے خلاف ہے۔“ (تذکرہ قرآن ۹/۳۸۷)

اس تفصیل سے واضح ہے کہ یہ آیت تقدیر کے مسئلے سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ شارحین نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے آیت کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے حدیث کے مضمون اور آیت میں تطبیق پیدا کر دی ہے۔ آیہ مبارکہ میں ’الہم‘ کا فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نیکی اور بدی ماضی میں الہام ہوئے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور بدی کا فیصلہ بہت پہلے سے ہو چکا ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ آیت اس مفہوم کی حامل نہیں ہے۔

روایت اپنے معنی کے اعتبار سے بظاہر اس بات کو مؤکد کرتی ہے کہ انسان جو کچھ کر رہا ہے، اس میں اس کے ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جو کچھ پہلے سے طے کر کے لکھ دیا گیا ہے، ہر انسان اسی پر عمل پیرا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ یہ انبیا کی بعثت اور عذاب و ثواب کی ساری کہانی ہی کو عبث بنا دیتی ہے۔ مزید برآں یہ

ہمارے اس مشاہدے کے بھی خلاف ہے کہ خیر و شر کے اختیار و قبول کی کامل آزادی ہمیں حاصل ہے۔ ہر انسان روزمرہ کی زندگی میں اس اختیار کا تجربہ کرتا اور اسے برتنا ہے۔

اصل حقیقت دوسری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے اس سلسلے کے آغاز سے پہلے اپنے مستقبل کے کامل علم کی روشنی میں قیامت تک کے تمام احوال تفصیل سے لکھ دیے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید میں متعدد جگہ پر بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے اور ہمارے عمل میں کوئی مغایرت نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کے کامل ہونے کا نتیجہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ لکھا ہے، اپنی مرضی سے لکھ دیا ہے اور اب انسان اس لکھے کے آگے بے بس ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی دی ہے۔ پھر یہ دیکھا کہ وہ اس آزادی کو پا کر کیا کرتا ہے۔ اسے دیکھ کر ایک کتاب میں لکھ دیا۔

ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات بیان کی ہو، لیکن راویوں کے سوء فہم کے نتیجے میں الفاظ کے رد و بدل سے بات ہی دوسری ہو گئی۔

کتابیات

مسلم، کتاب القدر، رقم ۴۷۹۰۔ مسند احمد، رقم ۱۹۰۸۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۸۲۔ مسند الطیالسی، رقم ۸۴۲۔ المعجم الکبیر، رقم ۵۵۷۔ السنہ لابن ابی عاصم، رقم ۱۷۴۔

زنا اور تقدیر

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ، إنی رجل شاب وأنا أخاف علی نفسی العنت، و لا أجد ما أتزوج به النساء، كأنه يستأذنه فی الاختصاص۔ قال: فسکت عنی۔ ثم قلت مثل ذلك۔ فسکت عنی۔ ثم قلت مثل ذلك۔ فسکت عنی۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: جف القلم بما أنت لاق، فاختص علی ذلك أو ذر۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول، میں ایک نوجوان ہوں۔ مجھے اپنے بارے میں اندیشہ ہے کہ میں (گناہ کی) مصیبت میں پڑ جاؤں گا۔ جب کہ میرے پاس (اتنا) مال نہیں ہے جس سے میں کسی عورت سے شادی کر لوں۔ گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت مانگ رہے تھے۔ (ابو ہریرہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (میری بات سن کر) خاموش رہے۔ پھر میں نے اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر بھی چپ رہے۔ میں نے اپنی بات پھر دہرائی۔ آپ اس بار بھی خاموش رہے۔ پھر میں نے اپنی بات بیان کی، اس مرتبہ آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ قلم (اسے لکھ کر) خشک ہو چکے ہیں جس سے تم دوچار ہونے والے ہو۔ اس صورت حال میں چاہو خصی ہو جاؤ اور چاہو (یہ ارادہ) چھوڑ دو۔“

لغوی مباحث

العنت: لفظی معنی تو تکلیف اور مشقت رکھتے ہیں، لیکن یہ مشقت، فساد، گناہ، ہلاکت، غلطی، لغزش اور ظلم و زیادتی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ زنا کے جرم اور نتیجہ عذاب سے دوچار ہونے کو تعبیر کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ سورہ نسا میں لونڈیوں سے نکاح کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: 'ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنْتَ مِنْكُمْ'۔ (یہ اجازت ان کے لیے ہے جنہیں تم میں سے مصیبت میں پڑنے کا اندیشہ ہو)۔ حضرت ابو ہریرہ نے بھی غالباً یہ لفظ قرآن مجید کی اتباع میں اختیار کیا ہے۔

كَأَنَّهُ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْإِخْتِصَاءِ: اس روایت میں یہ جملہ راوی کے تبصرے کے طور پر نقل ہوا ہے۔ گویا حضرت ابو ہریرہ نے الفاظ میں خصی ہونے کی اجازت طلب نہیں کی تھی۔ ان کے اسلوب بیان سے واضح ہو رہا تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ جبکہ دوسری روایات میں اسے سوال کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ صحیح روایت کون سی ہے۔

الإِخْتِصَاءُ: خصی ہونا۔ جراحت کا عمل ہے جس سے تولیدی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔

جَفَّ الْقَلَمُ: قلم خشک ہو گیا۔ جب تک تحریر کا عمل جاری ہو، قلم روشنائی سے تر رہتا ہے۔ جب یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے تو قلم دوات سے نکال کر رکھ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خشک ہو جاتا ہے۔ گویا یہ صورت حال تحریر کے مکمل ہونے اور اب کسی حک و اضافے کے امکان کے ختم ہونے کی تعبیر ہوتی ہے۔ اس جملے سے یہاں یہی واضح کرنا مقصود ہے۔

متون

صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بخاری سے لی ہے۔ بخاری میں اس روایت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے مکالمے کو بھی روایت کیا گیا ہے:

قال عبد الله: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم و ليس لنا شيء۔ فقلنا ألا نستخصي۔ فنهانا عن ذلك ثم رخص لنا أن ننكح المرأة بثوب۔ ثم قرأ علينا: 'يا ايها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم ولا تعتدوا، ان الله لا يحب المعتدين'۔ و قال اصبع اخبرني ابن وهب عن يونس بن يزيد عن ابن شهاب عن ابي سلمة عن ابي هريرة رضي الله عنهم ابن وهب سے، يونس بن يزيد سے، ابن شهاب سے، ابو هريره سے.....“

”عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شریک تھے۔ اس موقع پر ہم نے آپ سے پوچھا: کیا ہم خفی نہ ہو جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے روک دیا اور ہمیں ایک کپڑے کے عوض نکاح کرنے کی رخصت دے دی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”ایمان والو، ان چیزوں کو حرام نہ ٹھیراؤ جنہیں اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ سرکشی نہ کرو۔ بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ اصحیح بیان کرتے ہیں ابن وهب سے، یونس بن یزید سے، ابن شہاب سے، ابو ہریرہ سے.....“

نسائی میں یہ روایت اس تمہید کے بغیر ہے۔ کچھ لفظی فرق تو ہیں، مثلاً 'أنا أخاف' کی بجائے 'قد خشيت'، لا اجد ما أتزوج به النساء' کی جگہ 'لا اجد طولا أتزوج النساء' آخر میں 'أو ذر' کے بدلے 'أودع' کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن اہم اختلاف خفی ہونے کی اجازت والے جملے کے حوالے سے ہے۔ بخاری میں یہ جملہ حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب نہیں ہے۔ جبکہ نسائی کی روایت میں صریحاً حضرت ابو ہریرہ سے منسوب ہے۔ اسی طرح بیہقی، المعجم الاوسط، السنن الکبریٰ اور بعض دوسری کتب میں بھی یہ سوال حضرت ابو ہریرہ ہی سے منسوب ہے۔

اسی مضمون کی ایک روایت حضرت جابر بن عبد اللہ سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں سوال تو یہی ہے، لیکن جواب بالکل

مختلف ہے:

ان شابا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستأذنه فی الاختصاص فقال صم و سل

”ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خفی ہونے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: روزہ رکھو، اور

اللہ من فضله۔ (الزہد، لابن مبارک، ۳۹۱/۱) اللہ سے اس کا فضل مانگو۔“

یہ روایت اگر حضرت ابو ہریرہ ہی کے حوالے سے ہے تو زیر بحث روایت کی بعض تفصیلات کے بارے میں سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا وہ درست ہیں یا یہ روایت۔ مطلب یہ کہ آیا تقدیر کے بیان والا حصہ بعد کا اضافہ ہے یا نہیں۔ عام طور پر انھیں دو الگ روایات ہی سمجھا گیا ہے۔

معنی

یہ روایت بھی تقدیر ہی کے مضمون کی حامل ہے۔ سائل اس مسئلے سے دوچار ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہ سے کیسے بچائے۔ اس کی وسعت میں نہیں کہ وہ شادی کرے اور گھر در کے اخراجات پورے کرے۔ چنانچہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ مسئلے کا جڑ سے قلع قمع کر دے۔

اس کا جواب تو یہ ہے، جیسے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں دیا بھی گیا ہے کہ روزے سے اپنے تقویٰ کی طاقت بڑھاؤ اور وسعت رزق کے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو۔ اس کا جواب قرآن مجید میں بھی دیا گیا ہے۔ سورہ نساء میں لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت مالی تنگی کے مسئلے کے حل کے لیے دی گئی۔ قرآن مجید کے الفاظ ہی یہ ہیں:

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكَحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فِتْيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ۔
”اور جو تم میں سے آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ مومنہ کنیزوں میں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں، ان سے نکاح کرے۔“

(۲۵:۴)

سورہ نور میں اسی مسئلے کے پیش نظر فرمایا ہے:

إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ نَفْسِهِ۔
”اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔“

(۳۲:۲۴)

اس سے اگلی آیت میں ہے:

وَلَيْسْتَ عَفِيفَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ (۳۳:۲۴)
”اور جو لوگ نکاح کی قدرت نہیں پا رہے، وہ اپنے آپ کو ضبط میں رکھیں، یہاں تک اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔“

حیرت کی بات ہے کہ روایت کے مطابق ابو ہریرہ کو ان میں سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ زنا میں مبتلا ہونے اور نہ

ہونے کے مسئلے کو تقدیر کا معاملہ بنا دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ابو ہریرہ کو یہ بھی نہیں کہا گیا کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حرمت کو حلال کرنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے یہی بات ان لوگوں سے کہی تھی جو ابو ہریرہ ہی کی طرح آپ سے ایک غزوے کے موقع پر خفیہ ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ روایت میں حضور کی بات صحیح الفاظ میں نقل نہیں ہو سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کا کوئی تسلی بخش حل سمجھ میں نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو ہریرہ کی بات سن کر بہت غصہ آیا ہے۔ پہلے تو آپ نے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور آخر میں ڈانٹتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جو چاہو کرو تقدیر کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔

پچھلی متعدد روایات کی شرح میں ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ نیکی اور برائی کا معاملہ سرتاسر انسان کے اختیار میں ہے۔ یہ بات قرآن مجید کی محکمات میں سے ہے۔ اس کے خلاف کسی روایت کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

کتابیات

بخاری، کتاب النکاح، رقم ۴۶۸۶۔ سنن نسائی، کتاب النکاح۔ الزہد لابن مبارک، رقم ۱۱۰۷۔ سنن بیہقی، رقم ۱۳۲۳۳۔ السنن الکبریٰ، رقم ۵۳۲۳۔ سنن النسائی (المجتبیٰ)، رقم ۳۲۱۵۔ المعجم الاوسط، رقم ۶۸۱۴۔ القدر، رقم ۱۶۔